© rasailojaraid.com

کیا حسنِ انتظام ہے؟

سیف اللہ خالد

ورثا کی بات نہیں کہ بیٹا کھو دینے والی ماں، بھائی سے محروم ہو جانے والی بہن، باپ کے سایہ شفقت سے محروم ہو جانے والا بچہ اور شوہر کے تحفظ سے محروم ہو جانے والی بیوی سو برس بھی زندہ رہے تو غم پرانا نہیں ہوتا۔ تنہائی کا اک لمحہ، دکھ کا اک نشتر، خوشی کا ایک جھٹکا بچھڑنے والے پیاروں کے غم کا زخم پھر سے چھیڑ دیتا ہے اور یہ غم یوں ہڈیوں میں سرایت کر جاتا ہے کہ قبر میں ساتھ تو لے جاتا ہے مگر غلط نہیں ہوتا۔ البتہ شہر کے باسی، ملک کے شہری، ملنے ملانے والے ایک عرصے کے بعد بھول جاتے ہیں مگر جہاں سانحہ کراچی جیسا قیامت خیز ہو کہ ایک لمحے میں ۱۴۰ زندگیاں لاشوں میں بدل جائیں، خوشی کے نغمے نوحے بن جائیں۔ پورا ملک سوگ کی گرفت میں چلا جائے ایسا سانحہ تا دیر یاد رہتا ہے اور رہے گا۔ کون جانے وطن عزیز کے شہری کب تک اس دھماکے کے خوف کا شکار رہیں۔ نہیں معلوم کراچی کے شہری کب اس کے اثرات سے سنبھلیں مگر حکومت نے وقت ضائع کیے بغیر جمہوریت کی نیلم پری پر قربان ہو رہنے والوں کی قبروں کی گنتی پوری ہونے سے بھی پہلے اس سانحے سے اپنا فائدہ کشید کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ اعلان اس قدر عجلت میں سامنے آیا ہے کہ غیر جانبدار شہری بھی حیرت زدہ ہیں۔

حکومتی ترجمان وزیر نے دھماکے کے چند گھنٹے بعد ہی کہہ دیا تھا کہ الیکشن کمپین کو محدود ہونا چاہیے۔ ورنہ مزید حملے ہوں گے اور اس کے اگلے ہی روز اس مقصد کی خاطر حکمران پارٹی کے سربراہ آل پارٹیز کانفرنس کی تیاریوں میں جت گئے اور انھوں نے اپوزیشن قیادت سے روابط بھی شروع کر دیئے ہیں۔ بلکہ استرداد بھی سامنے آ گیا ہے۔ اس قدر سرعت، اس قدر چابک دستی......؟ اتنی تیزی حکومت اگر کارِ منصب ادا کرنے پر صرف کرتی تو ملک جنت کا نمونہ بن جاتا مگر سیاسی مقاصد بہر حال اہم ہیں۔ کہا یہ جا رہا ہے کہ سیاسی جماعتوں کو بلا کر انھیں سمجھایا جائے گا کہ جلسہ جلوس پر حملوں کا خطرہ ہے' لہٰذا اس سے گریز کیا جائے۔ شیخ رشید احمد تجویز لائے ہیں اور ان کا لب ولہجہ بتاتا ہے کہ یہ مصدقہ اور مستند تجویز جلد ہی فیصلے کی شکل ڈھالنے کو ہے کہ الیکشن کے دوران بڑی ریلیوں اور جلسوں کو خلافِ قانون قرار دے کر سیاسی جماعتوں سے کہا جائے گا کہ وہ ٹی وی چینلز پر انتخابی مہم چلائیں اور ٹی وی چینلز کو مفت خرید کر اپنا ایجنڈا پیش کریں۔ دلیل ان کے پاس یہ ہے کہ حکومت خود کش حملے نہیں روک سکتی۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جلسے روک دیئے جائیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان کے ۱۶ کروڑ عوام میں سے کتنے فیصد کو ٹیلی ویژن کی سہولت دستیاب ہے۔ ۷۰ فیصد آبادی دیہات میں رہتی ہے جس کے لیے آج بھی کیبل پر آنے والے ٹی وی چینل اجنبی ہیں۔ سندھ کے پسماندہ علاقے۔ سرحد اور بلوچستان کو جانے دیں خود پنجاب کے دیہات کیا شہروں میں بھی کم از کم ۴۰ فیصد آبادی ٹیلی ویژن سے دور ہے۔ دیہات میں تو ٹی وی رکھنے والوں کی تعداد صرف ۱۰ فیصد ہے۔ اور انھیں بھی پی ٹی وی کے سوا کچھ دستیاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں۔اوسطاً ملک کی ۸۰ فیصد آبادی ٹی وی کمپین کے دائرہ کار میں ہی نہیں۔ابھی تو حکومت بڑے شہروں کے سوا بجلی ہی پوری نہیں کر سکی۔لوگ چینل کہاں سے دیکھ لیں گے۔اگر یہ فیصلہ کر لیا جاتا ہے تو اس کا صاف اور سیدھا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ سیاست دانوں کو عوام کے پاس جانے سے روک دیا جائے۔یعنی:

مگس کو باغ میں جانے نہ دیجو
کہ ناحق خون پروانوں کا ہو گا

اگر آگاہی اور انتخابی مہم اتنی ہی خطرناک شے ہے اور حکومت کی کریڈیبلٹی صرف اسی صورت باقی بچتی ہے کہ لوگوں کو صرف سرکاری سچ سنا کر پولنگ اسٹیشنوں تک لایا جائے اور مرضی کے نتائج حاصل کر لیے جائیں تو ایسے انتخابات کی ضرورت کیا ہے؟ان انتخابات کو تسلیم کون کرے گا؟ان کی حیثیت کیا رہ جائے گی؟اس سے تو اچھا ہے کہ باہر سے آنے والا فیصلہ ایوانِ اقتدار سے پڑھ کر سنا دیا جائے کہ عنانِ حکومت کس کے ہاتھ میں دینے کا حکم ہوا ہے۔آخر افغانستان اور عراق میں بھی تو یہ نظام کامیابی سے چل ہی رہا ہے۔پاکستان میں بھی نافذ ہو جائے تو حرج کیا ہے۔

بس فیصلہ سنایا جائے اور مخالفین کو کرش کر دیا جائے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر یہ فیصلہ حکومت اپنی ساکھ اور کریڈیبلٹی کی بربادی کو چھپانے کی خاطر نہیں کر رہی تو دوسری وجہ کیا ہے؟دہشت گردی؟تو اسے روکنا کس کا کام ہے۔شہر میں چوریاں بڑھ جائیں تو گھروں میں سامان رکھنا چھوڑ دیا جائے۔ٹریفک حادثات بڑھ جائیں تو سفر ترک کر دیا جائے۔قطعی نہیں۔پوری دنیا آج سے نہیں روزِ اوّل سے اس کے برعکس فیصلے کرتی ہے کہ مسئلے کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔مگر یہاں تو کمال یہ ہے کہ حکومت خود تسلیم کر رہی ہے۔اس کے ایک ذمہ دار وزیر بار بار ایک بات کہے جا رہے ہیں کہ ”دہشت گردی ہم نہیں روک سکتے۔ایک کو پکڑیں تو ۹۹ تیار ہوتے ہیں،کس کس کو پکڑیں،کیسے شناخت کریں؟یہ کھلا اعتراف ناکامی نہیں تو کیا ہے۔دہشت گردی کا سوال ہو تو جواب ملتا ہے ہم نہیں روک سکتے۔غربت کے خاتمے کی بات ہو تو ہمارے بس کی بات نہیں۔اکانومی کا بیڑہ غرق ہو۔ہم کچھ کرنے سے قاصر ہیں۔بجلی کی لوڈشیڈنگ پر جواب ملتا ہے۔ہم نہیں ختم کر سکتے تو جناب بصد ادب استفسار ہے کہ جب حکومت ہر سوال کا ایک ہی جواب دے رہی ہے کہ ہم نہیں کر سکتے تو پھر رخصت کیوں نہیں ہو جاتی۔وہ کر ہی کیا رہی ہے جس کی بنا پر اسے برداشت کیا جائے؟جواب آتا ہے۔دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ...... یہ واحد کام ہے جو پوری شدت سے ہو رہا ہے مگر عالم اس کا بھی یہ ہے کہ خود امریکی بھی مطمئن نہیں۔

جی چاہتا ہے کہ دہشت گردی روکنے کا اعتراف کرنے والے وزیرِ محترم سے سوال کیا جائے کہ ۱۹۴۷ء سے آج تک یہ ملک امن کا گہوارہ رہا۔یہ اچانک خودکش حملہ آوروں کی فصل کیوں اُگ آئی۔ایسے حالات کیوں پیدا ہو گئے اور لوگ اپنی جان تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کر رہے۔کیا یہ اسی دور کی پیداوار نہیں؟

اس وقت عالم یہ ہے کہ وزیراعظم نے جھنگ کے پل کا افتتاح کرنا ہوتا ہے تو فیتہ وزیراعظم ہاؤس میں کاٹا جاتا ہے۔راولپنڈی ریلوے اسٹیشن سے ٹرین کا افتتاح ایوانِ وزیراعظم میں کیا جاتا ہے اور اب خواہش ہے کہ انتخابی مہم ٹی وی پر چلے سو ووٹ ای میل کے ذریعے کاسٹ ہوں۔کیا حسن طلب ہے،کیا حسن انتظام ہے،ناکامی اور انہدام اور کس چیز کا نام ہے؟

© rasailojaraid.com